36

# ۱۳۳۵ھ کی آمد

(فرمودہ ۳۔ نومبر ۱۹۱۶ء)

سورہ فاتحہ اور مندرجہ ذیل آیت کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ○ [1]

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے احسان بہت وسیع ہیں۔کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق بھی یہ نہیں کہہ سکتی کہ مجھ پر خدا کا کوئی احسان نہیں۔کیوں۔اس لئے کہ ہر ایک چیز کا وجود اللہ کے فضل کے ماتحت پیدا ہوا ہے۔اور جو بھی مخلوق ہوگی وہ خدا کے زیر احسان ہی ہوگی اور ایسی کوئی چیز ہے نہیں جو مخلوق نہ ہو۔پس ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کے احسانوں کے نیچے دبی ہوئی ہے۔ادنیٰ سے ادنیٰ کیڑے سے لے کر بڑے سے بڑے فرشتے اور نبی تک تمام اللہ تعالیٰ کے احسانوں اور فضلوں کے نیچے ہیں اور کسی کا کوئی دم ایسا نہیں گذرتا کہ اللہ کے احسانوں کے نیچے وہ زندگی نہ بسر کر رہا ہو لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ خدا کے فضلوں اور احسانوں سے خاص حصہ پاتے ہیں۔اس لئے گو ہر ایک انسان بلکہ ہر ایک جاندار پر اللہ کا شکر ادا کرنا فرض اور واجب ہے مگر ان لوگوں، ان جماعتوں اور ان گروہوں کا خاص فرض ہوتا ہے جو اس کے انعامات سے خاص حصہ پاتے ہیں اور جو لوگ اپنے اُوپر خدا تعالیٰ کے انعامات کے ہوتے ہوئے پھر اس کا شکریہ ادا نہیں کرتے یا ادا کرنے میں کوتاہی سے کام لیتے ہیں یا ان میں سے کچھ افراد سستی دکھاتے ہیں وہ خدا تعالیٰ سے بہت دُور جا گرتے ہیں اور بہت سخت سزا کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے قانون کے ماتحت اور اس قانون کے ماتحت کہ جو جب سے دُنیا کا سلسلہ شروع

---

[1] ابراہیم: ۸

ہؤا ہے چلتا آرہا ہے۔ اب ایک نیا سال شروع ہؤا ہے۔ اور کسی نئے سال کا آنا کوئی نئی بات نہیں ہر آنے والا سال نیا ہی ہوتا ہے اور ہر بارہ[12] ماہ کے بعد نیا سال شروع ہوجاتا ہے۔ پس یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ قانونِ قدرت کے ماتحت ایسا ہوتا آیا ہے اور اب بھی ہؤا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی خاطر چاند، سُورج اور ستاروں کے لئے رفتار مقرر کی ہوئی ہے اسی رفتار کے ماتحت دِن، ہفتے، مہینے اور سال بدلتے رہتے ہیں۔ پس نئے سال کا چڑھنا کوئی نئی بات نہیں مگر اِس سال کے متعلق بعض اندازوں کے مطابق ایک پیشگوئی ہے۔ بعض اندازے مَیں نے اِس لئے کہا ہے کہ پیشگوئی کے الفاظ صاف نہیں ہیں بلکہ اِستدلال کیا گیا ہے اور مختلف اِستدلال کئے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس پیشگوئی میں جو بارہ سَو اٹھانوے اور تیرہ سَو پینتیس دن کا ذکر آتا ہے یہ ہجری سنہ ہے کیونکہ الہامی زبان میں دن بمعنی سال کے ہوتے ہیں اِس لئے بہتوں کی نظریں اس کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ بعضوں کی تو اِس لئے کہ یہ ایک خاص پیشگوئی ہے اور بعضوں کی دیگر وجوہات سے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آخری سال حضرت مسیح کی آمد کا ۱۳۳۵ ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ انبالہ سے ایک شخص نے اِشتہار شائع کیا تھا غالباً ۵ یا ۶ئہ کا ذکر ہے اس میں اس نے لکھا تھا اور بڑے زور سے لکھا تھا کہ حضرت مسیح موعود کی آمد ۱۳۳۵ئہ میں ہوگی۔ اِسی طرح دہلی سے ایک شخص نے رسالہ لکھا ہے اس نے بھی ۱۳۳۵ئہ ہجری آخری میعاد حضرت مسیح موعود کے آنے کی رکھی ہے۔ یورپ کے لوگوں میں سے بھی بعضوں نے مختلف حسابات کے ماتحت اِس بات کا فیصلہ کر چھوڑا ہے کہ ۱۳۳۵ئہ مسیح کی آمد کا سال ہے۔ اِسی بناء پر اس کا بڑا انتظار ہو رہا تھا اب جو یہ سال آگیا ہے تو اس کے نتائج کا اِنتظار ہے اللہ تعالیٰ چاہے گا تو ان بارہ مہینوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منکروں کو ایک اَور نا امیدی ہوگی اور ان میں سے جو عقلمند اور دانا ہوں گے وہ سمجھ لیں گے کہ جس مسیح نے آنا تھا وہ آچکا اَور کسی نے نہیں آنا تو اِس طرح ہمارے لئے ایک فتح تو ضروری ہے اور وہ یہ کہ دشمن نے جو اندازہ لگایا ہؤا ہے کہ ۱۳۳۵ئہ میں حضرت مسیح نے آنا ہے وہ آچکا ہے اب ان کے لئے دو ہی باتیں ہوں گی یا تو یہ کہ وہ کہہ دیں کہ کسی مسیح نے نہیں آنا اور یا یہ کہ جس نے آنا تھا وہ آگیا۔ اب سوائے ان لوگوں کے جو یہودیوں کی طرح ڈھیٹھ ہوں گے کہ باوجود اس کے کہ حضرت مسیح ناصری کی آمد کو انیس سو سال ہوگئے مگر وہ ضد اور تعصب کی وجہ سے اس وقت تک اس خیال کو ترک نہیں کرتے کہ مسیح نے آنا ہے۔ وہ بھی یہی کہتے رہیں گے کہ مسیح موعود نے ابھی آنا ہے اور ایسے لوگوں کا مسلمانوں میں سے پیدا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو یہود سے مشابہت دی ہے مگر جو دانا اور سمجھدار ہوں گے اور جو تعصّب اور عداوت، ضد اور شرارت سے انکار نہیں کریں گے جب وہ دیکھیں گے کہ جن پیشگوئیوں کے مطابق ۱۳۳۵ھ میں مسیح موعود کی آمد کا اندازہ لگایا گیا تھا وہ اندازہ پورا

ہو گیا ہے۔ تو یا تو انہیں اس پیشگوئی کو بناوٹی اور جعلی قرار دینا پڑے گا یا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مسیح موعودؑ آ گیا ہے۔ اور چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سوا اور کسی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اس لئے آپؑ کو انہیں مسیح موعود ماننا پڑے گا۔ یہ تو ہمارے لئے بنی بنائی فتح ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے لکھی جا چکی ہے۔ باقی اور بہت سی اُمیدیں کہ یہ سن ہمارے لئے فتوحات کا ابتدائی سال ہے۔ چنانچہ ہماری جماعت کے لوگ اِس پر خوشی کا اظہار کر رہے ہیں اور میرے پاس مبارکباد کے خطوط بھی آئے ہیں لیکن مَیں ایسے سب لوگوں کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ۱۳۳۵ھ میں بلحاظ دنوں، ہفتوں اور مہینوں یا چاند کی رفتار کے ۱۳۳۶ھ یا ۱۳۳۴ھ سے کوئی زیادتی نہیں ہے۔ یہ بھی اس قسم کا سن ہے جیسے کہ پہلے گذر چکے ہیں۔ اِس میں کونسے لعل لگے ہوئے ہیں کہ اسے دوسروں سے بڑا سمجھیں۔ اِس میں کوئی خصوصیّت نہیں ہے۔ وہ جماعت جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے انعامات کا وارث ثابت کر دے اس کے لئے ۱۳۳۲ھ اور ۳۳ھ بھی ۱۳۳۵ھ ہی بن جاتے ہیں اور جو جماعت اپنے اعمال اور افعال سے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے غضب اور سزا کا مستحق بنا لیتی ہے اس کے لئے ۱۳۳۵ھ یا ۱۳۳۶ھ یا ۱۳۴۰ھ سب برابر ہو جاتے ہیں۔

ہر ایک فتح کے ساتھ شکست بھی ہوتی ہے۔ کیا آج تک ایسی بھی کوئی فتح ہوئی ہے کہ جس کے ساتھ شکست نہ ہو۔ ہرگز نہیں۔ آج تک تو یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ اگر ایک گروہ کو فتح حاصل ہوئی ہے تو اسی فتح کے ساتھ دوسرے گروہ کو شکست بھی ہوئی ہے۔ پس اگر یہی سال ایک جماعت کے لئے مبارک ہے تو کیا اس کے ساتھ ہی یہ خیال بھی نہیں پیدا ہوتا کہ یہی ۱۳۳۵ھ کِسی اَور کے لئے منحوس اور نامبارک بھی ہے۔ تو اِس سال کی یہ خصوصیّت نہیں ہو سکتی کہ تمام کے لئے مبارک ہی ہو۔ ضرور اگر ایک گروہ کے لئے مبارک ہے تو دوسرے کے لئے نامبارک بھی ہے۔ باقی رہا یہ کہ مبارک کِس کے لئے ہے اور نامبارک کِس کے لئے؟

اِس میں تو کچھ شک ہی نہیں کہ جو میدان ایک قوم کے لئے فتح اور کامیابی کا باعث بنتا ہے وہی میدان دوسری قوم کے لئے شکست اور ناکامی کا بھی موجب بنتا ہے۔ اور جس طرح وہ میدان یہ یاد دلاتا ہے کہ فلاں قوم کو اس میں فتح نصیب ہوئی تھی اسی طرح وہ یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اسی موقعہ پر کِسی کو شکست بھی ہوئی تھی۔ پس جہاں عظیم الشان فتح ہوتی ہے وہاں بہت بڑی شکست بھی ہوتی ہے۔ اِس لئے ڈرنا چاہیئے کہ فتح ہمارے دشمنوں کو نہ ہو اور شکست ہمارے حصّہ میں نہ آئے۔ جتنی بڑی کوئی فتح ہوتی ہے اس کے ساتھ اتنی ہی بڑی شکست بھی وابستہ ہوتی ہے۔ پس جہاں بہت بڑی فتح سے خوشی ہونی چاہیئے وہاں اِس بات سے ڈرنا بھی بہت چاہیئے کہ ہمارے حِصّہ میں شکست نہ آئے۔

کوئی کہے ۱۳۳۵ھ تو فتح اور کامیابی کے لئے مقرر ہے اور خدا نے کہہ دیا ہے کہ "مبارک وہ جو اِنتظار کرتا ہے اور ایک ہزار تین سو پینتیس روز تک آتا ہے"[1] اِس لئے ہمیں ضرور کامیابی ہوگی۔ مگر ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ پیشگوئی دانیال نبی کی کتاب میں ہے اور دانیال نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اِتباع میں سے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک اولوالعزم نبی تھے اور خاص شان رکھنے والے تھے۔ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ سے مشابہت دی ہے[2] اور جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت دی جائے وہ کوئی معمولی اِنسان نہیں ہو سکتا۔ آپ سے خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ تُو اور تیری قوم فلاں ملک کی وارث بنائی جائے گی لیکن چونکہ ان کی قوم نے اپنے آپ کو اِس لائق نہ بنایا کہ خدا تعالیٰ اس کو اپنا یہ انعام دیتا اِس لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اِس وعدہ کو چالیس سال پیچھے ڈال دیا۔[3] پس جب موسیٰ علیہ السلام جیسے عظیم الشان نبی کی پیشگوئی کو چالیس سال پیچھے ڈال دیا جا سکتا ہے تو حضرت دانیال کی پیشگوئی کو کیوں پیچھے نہیں ڈالا جا سکتا۔ اگر خدا تعالیٰ کو کسی کا لحاظ یا کسی کی خاطر منظور ہوتی تو موسیٰؑ اِس بات کے زیادہ مستحق تھے کہ ان کی قوم کو موعودہ ملک دے دیا جاتا کیونکہ وہ صاحبِ شریعت اولوالعزم نبی تھے۔ پھر خدا تعالیٰ ان کی نسبت فرماتا ہے کلّم اللہ موسیٰ تکلیما[4] کہ جب خدا تعالیٰ نے موسیٰ سے کلام کیا تو درمیان میں کوئی روک اور پردہ نہ تھا۔ اِتنے بڑے نبی کی پیشگوئی کو جب اس کی جماعت کی سستی اور نالائقی کی وجہ سے پیچھے ڈال دیا جاتا ہے تو حضرت دانیال کی پیشگوئی کو کیوں پیچھے نہیں ڈالا جا سکتا۔ پس ۱۳۳۵ھ میں ہمارے لئے خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے اِس میں تو شک نہیں۔ اور جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا ہے ہماری جماعت کے ساتھ اِس سال کا خاص تعلق ہے۔ پہلے تو یہ خیال تھا کہ شاید اِس سنہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات ہو مگر وہ تو اس سے پہلے ہو چکی اِس لئے وہ مراد نہیں ہو سکتی بلکہ اس سال سے ہماری جماعت کی ترقی کی ابتداء مراد ہے۔ وہ ترقی کیسی ہوگی؟ کس رنگ میں ہوگی؟ کس طرح ہوگی؟ اگر اِس پیشگوئی کو جس طرح سمجھا گیا ہے اسی طرح درست مان لیا جائے تو بھی یہ باتیں نہیں بتائی جا سکتیں کیونکہ پیشگوئی کو پورا ہونے سے قبل سمجھنے میں تو ایک نبی بھی غلطی کھا سکتا ہے چہ جائیکہ ہم اس کے متعلق کچھ بتا سکیں۔ پس اگر واقعہ میں ۱۳۳۵ھ میں جماعتِ حضرت مسیح موعود کی فتوحات کی ابتداء ہے تب بھی ہم نہیں جانتے کہ ہمیں کس طرح اور کیا فتوحات حاصل ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے کئی اقسام کے ہوتے ہیں۔ کبھی بڑے زور سے ایک بات کہی ہوئی معلوم ہوتی ہے لیکن جب پوری ہوتی ہے

---

[1] دانیال ۱۲/۱۲ ؛ [2] اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًاۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ؕ (المزمّل: ۱۶) ؛ [3] قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً (المائدہ: ۲۷) ؛ [4] النساء: ۱۶۵

تو بہت معمولی نکلتی ہے۔ اِسی طرح کبھی ایک بات بالکل معمولی معلوم دیتی ہے لیکن جب پوری ہوتی ہے تو بڑے عظیم الشان نتائج پیدا کرتی ہے۔ کبھی جس رنگ میں کوئی بات کہی جاتی ہے اسی رنگ میں پوری ہوتی ہے۔ اس کی ایک وجہ ہے اور وہ یہ کہ انسان کی نظر ایک بات کو زوردار سمجھتی ہے مگر دراصل وہ کمزور ہوتی ہے۔ اور اسی طرح ایک بات کو انسان اپنے نزدیک کمزور سمجھتا ہے مگر دراصل وہ بہت زوردار ہوتی ہے۔ دیکھو ظاہر نظروں میں بدر اور احزاب کی لڑائیوں میں بڑی بھاری فتح ہوئی تھی مگر خدا تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کو جسے ظاہر میں شکست سمجھا گیا تھا بڑی بھاری فتح قرار دیا ہے۔ تو کبھی ظاہرہ الفاظ سے ایک بات بڑی معلوم ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ معمولی نکلتا ہے مگر اِس لئے نہیں کہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ نے غلطی سے معمولی الفاظ کی بجائے زوردار الفاظ میں اس کو بیان کیا ہوتا ہے بلکہ اِس لئے کہ وہ واقعہ بڑے بڑے نتائج پیدا کرتا ہے۔ اِسی طرح اگر کسی بات کے متعلق الفاظ معمولی ہوں اور واقعہ بہت ہیبت ناک ظہور پذیر ہو اِس لئے نہیں کہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کو ایسا معلوم نہ تھا اِس لئے اس نے معمولی الفاظ میں اس کا ذکر فرمایا ہوتا ہے بلکہ اِس لئے کہ گو وہ بظاہر خطرناک اور بڑا واقعہ ہوتا ہے مگر نتائج کے لحاظ سے کوئی ایسا خطرناک نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی پیشگوئی خدا تعالےٰ کی طرف سے جن الفاظ میں بیان کی جاتی ہے انہیں میں پوری ہوتی ہے تو اس کے متعلق یہ خیال نہیں ہوتا کہ اسی طرح پوری ہوئی بلکہ اس کے نتائج ہی ایسے مدِنظر ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنی کامیابی سمجھتا ہے اور اپنے خیال میں فتح حاصل کر چکا ہوتا ہے لیکن وہ فتح کوئی دیرپا نہیں ہوتی فوراً ہی دشمن دوبارہ حملہ کر کے اسے شکست دے دیتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک کامیابی کو انسان بہت معمولی سمجھتا ہے مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اُسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کوئی معمولی کامیابی نہ تھی بلکہ بہت بڑی تھی کیونکہ اس کے نتائج بہت بڑے نکلتے ہیں۔ اِس قسم کے نظارے ہم دُنیاوی جنگوں میں بھی کثرت سے دیکھتے ہیں۔ آج کل وہ لوگ جو جنگ کی خبریں پڑھتے ہیں وہ کثرت سے اِس قسم کے واقعات بھی پڑھتے ہیں کہ ایک کامیابی کو بہت بڑا سمجھا جاتا ہے لیکن بعد میں اس کے متعلق کہنا پڑتا ہے کہ یہ بہت معمولی تھی۔ اِسی طرح ایک فتح کو بہت معمولی قرار دیا جاتا ہے لیکن بعد میں پتہ لگتا ہے کہ وہ بہت اہم فتح ہے۔ چند ہی دن ہوئے ایک خبر آئی تھی کہ ایک معمولی سا ناکہ فتح ہوا ہے لیکن اسی کے متعلق بعد میں یہ خبر آئی کہ جرمن اس کے فتح کرنے کے لئے بڑا زور مار رہے ہیں کیونکہ اس راستہ سے وہ اپنی فوجوں کو اسلحہ وغیرہ پہنچایا کرتے تھے۔ تو وہی ناکہ جو پہلے معمولی سمجھا گیا تھا بعد میں بہت بڑا قرار دیا گیا لیکن خدا تعالیٰ تو پہلے ہی ہر ایک چیز کے نتائج سے واقف ہوتا ہے اِس لئے جس واقعہ سے بڑے اہم نتائج نکلنے ہوتے ہیں اسے غیر معمولی قرار دیتا ہے خواہ بظاہر وہ چھوٹا ہی نظر آئے۔ اور جس سے معمولی نتائج نکلنے ہوں اسے معمولی کہتا ہے خواہ بظاہر وہ بڑا ہی

دکھائی دے مگر انسان جس کی نظر ظاہر پر ہوتی ہے وہ ظاہر پر لٹو ہو کر بعض اوقات یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا۔ تو پیشگوئی میں ایسی باتیں بھی ہوتی ہیں۔ اس لئے ہم نہیں جانتے کہ یہ پیشگوئی اس رنگ میں جس میں کہ سمجھی گئی ہے پوری ہوگی یا کسی اور رنگ میں۔ پھر یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ دنیا اس کے پورا ہونے کو فوراً دیکھ لے گی یا ہمیں بھی اس کے پورا ہونے کا پتہ نہیں لگے گا۔ اور بعد میں اس سے بڑے بڑے نتائج نکلیں۔ پس ہو سکتا ہے کہ ساری دنیا اس پیشگوئی کو پورا ہوتا دیکھ لے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح حضرت مسیح نے کہا ہے کہ وہ چوروں کی طرح آئے گا[1] اسلئے یہ بھی چوروں کی طرح آئے۔ مگر وہی دو تین چار پانچ دس بیس سال کے بعد بڑے بڑے اہم نتائج پیدا کرنے کا موجب ہو جائے۔ بعض درخت بڑے ہوتے ہیں لیکن ان کے بیج بہت چھوٹے ہوتے ہیں اور بعض چھوٹے ہوتے ہیں مگر ان کے بیج بڑے ہوتے ہیں۔ پس ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ پیشگوئی کس رنگ میں پوری ہوگی اور کس رنگ میں نہیں۔ ہاں سوال یہ ہے کہ ہماری جماعت نے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے انعامات کی مستحق قرار دے لیا اور انعام حاصل کرنے کے قابل بنا لیا ہے یا نہیں۔ اس کے لئے خدا تعالیٰ ایک معیار مقرر فرماتا ہے اور وہ یہ کہ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ۔ یاد کرو اس بات کو کہ جب تمہارے خدا نے بڑے زور اور بڑی شان و شوکت سے اس بات کا اعلان کر دیا ہے کہ لَئِن شَكَرْتُمْ اگر تم میرے شکر گذار بنو گے اور میرے پہلے انعامات کی قدر دانی کرو گے تو میں اپنی ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہیں بڑے بڑے انعام دوں گا لیکن اگر تم میرے پہلے انعامات کی بے قدری کرو گے اور ان کے لئے شکر گذار نہ بنو گے تو یہ بھی یاد رکھو کہ میں عذاب بھی بڑا سخت دیا کرتا ہوں۔ یہ ایک معیار ہے جو اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ آیا میں انعام پانے کا مستحق ہوں یا عذاب کا۔ پس بجائے اس کے کہ ہماری جماعت کے لوگ آپس میں ایک دوسرے کو مبارکبادیں دیں اور خوش ہوں کہ ۱۳۳۵ھ آگیا ہے انہیں اپنی حالت پر نظر کرنی چاہیئے ۱۳۳۵ھ میں کوئی زیادہ بات نہیں، یہ بھی ایسا ہی سال ہے جیسے کہ پہلے تھے۔ ہاں اس میں یہ خصوصیت ہے کہ اس کے متعلق ایک وعدہ اور پیشگوئی سمجھی جاتی ہے اور بے شک یہ ایک خصوصیت ہے مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ کہ وعدے بھی ایسی ہی قوم کے ساتھ پورے ہوتے ہیں جو اپنے آپکو ان کا اہل ثابت کر دیتی ہے اور جو اہل ثابت نہیں کرتی اس سے خدا تعالیٰ اپنے وعدے بھی ٹال دیتا ہے۔ دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے ایک وعدہ تھا لیکن خدا تعالیٰ نے اسے چالیس سال

---

[1] متی ۲۴ : ۴۳

پیچھے ڈال دیا۔کیوں اِس لئے کہ اس نے خدا تعالیٰ کے اِنعامات کی قدر نہ کی۔خدا تعالیٰ کے ان لوگوں پر کتنے بڑے فضل ہوئے تھے۔ایک ایسے جابر دشمن سے انہیں چھڑایا گیا جس سے چھوٹنے کی انہیں کبھی اُمید نہ تھی۔وہ اس کے مقابلہ میں ہر طرح سے کمزور اور ناتواں تھے۔ان کے لڑکوں کو مار دیا جاتا تھا اور ان کی لڑکیاں زندہ رکھی جاتی تھیں مگر باوجود ان کی اس حالت کے خدا تعالیٰ نے انہیں نجات دی اور ایک خطرناک راستہ سے سمندر میں سے صحیح وسلامت پار کر دیا اور ان کی آنکھوں کے سامنے ہی ان کے دشمن کو غرق کر دیا پھر بھی ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کو نہ مانا اور جب انہوں نے حکم دیا کہ جاؤ لڑو تو باوجود اس کے کہ انہیں فتح اور کامیابی کا وعدہ بھی دیا گیا تھا انہوں نے لڑنے سے انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ ہم سے نہیں لڑا جاتا۔ يٰمُوْسٰىٓ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ[1] اے موسیٰ تو اور تیرا خدا جاکر ان سے لڑو ہم تو یہ بیٹھے ہیں۔جب تک وہ لوگ اس ملک میں موجود ہیں ہم تو کبھی بھی اس میں داخل نہ ہوں گے۔تو اِس طرح انہوں نے اس ملک میں داخل ہونے سے انکار کر دیا جس کی سزا میں خدا تعالیٰ نے ان کا وعدہ چالیس سال آور پیچھے ڈال دیا۔لڑنے والے عموماً بیس اکیس سال کے لڑائی کے قابل ہوتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوسط عمر ساٹھ سال فرمائی ہے[2] تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے وہ چھوٹی سے چھوٹی عمر کا انسان جس نے لڑنے سے انکار کیا اس چالیس سال کے عرصہ میں مرگیا تب جاکر ان کا وعدہ پورا ہُوا۔چنانچہ بائیبل سے پتہ لگتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے چالیس سال تک وہی زندہ رہا جس نے لڑنے سے اِنکار نہیں کیا تھا اور انکار کرنے والے سب کے سب ہلاک ہوگئے تو ان سے وعدہ ٹل گیا۔پس اگر ہم نے بھی اپنے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی اور خدا تعالیٰ کے اِنعامات کے شکر گذار نہیں ہوئے تو یہ سال ہمارے لئے کیا تبدیلی پیدا کرسکتا ہے۔کیا اس سے پہلا سال اسی خدا کا نہ تھا جس کا یہ ہے اسی کا تھا۔پھر اِس سال نے کیا کرنا ہے۔ہاں اگر کوئی ذریعہ ہمیں فاتح اور کامیاب بناسکتا ہے تو وہ تعلق ہے جو خدا تعالیٰ سے ہو۔اور اگر کوئی چیز خدا تعالیٰ کے رحم اور فضل کو جذب کرسکتی ہے تو وہ ایثار ہے جو ہم خدا کی راہ میں دکھائیں۔لیکن اگر ہم میں ایثار اور خدا تعالےٰ سے تعلق نہیں اور ہم اس کی فرمانبرداری اور اطاعت میں کامل نہیں ہوئے تو یہ سال ہمارے اندر کوئی تبدیلی نہیں پیدا کرسکتا۔اور جو سال ایسا ہے کہ اس میں ہمارا خدا تعالیٰ سے کامل تعلق ہوگیا

---

[1] المائدة : ۲۵
[2] ترمزی کتاب الزھد باب ماجاء فِیْ فَنَاءِ اَعْمَارِ ھٰذہ الامة ما بَیْنَ السنین إلی السبعین۔

ہے وہ سال ہمیشہ ۱۳۳۵ھ ہجری ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبیوں پر جو خدا کے فضل ہوتے ہیں وہ کسی خاص سال سے تعلق نہیں رکھتے۔ حضرت مسیح موعود پر جو فضل ہوئے کیا ۱۳۳۵ھ ہجری میں آپ سے زیادہ کسی پر فضل ہو جائے گا۔ یا ۱۳۳۵ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے زیادہ کوئی بات حاصل ہو جائے گی۔ ان کے مقابلہ میں تو ۱۳۳۵ھ عشرِ عشیر بھی نہیں ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے لئے ۱۳۳۵ھ کی کوئی شرط نہ تھی۔ آپ کے لئے ہر دن اور ہر گھڑی ۱۳۳۵ھ ہی تھا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ مَیں تو سمجھتا ہوں کہ ۱۳۳۵ھ تک جو دیر ہوئی ہے یہ ہماری کوتاہیوں اور سُستیوں ہی کی وجہ سے ہوئی ہے ورنہ اگر ہم خدا تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری اور اطاعت کرتے تو ہمارے لئے حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی سے ہی ۱۳۳۵ھ شروع ہو جاتا جیسا کہ صحابہ کرامؓ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے وقت ایک اِبتلاء آیا تھا لیکن چھ مہینے کے اندر اندر دُور ہو گیا اور زیادہ سے زیادہ ایک سال تک اس کا اثر رہا اور ان کے زمانہ میں ایک قلیل حصّہ اس کا رہا۔ تو ۱۳۳۵ھ کوئی خصوصیّت نہیں رکھتا جس بات کی اس سال کی وجہ سے خوشی ہے وہ ہر روز اور ہر سال میسّر ہو سکتی ہے مگر ضرورت ہے اِس بات کی کہ خدا تعالیٰ کے انعامات کی پُوری پُوری شُکرگذاری کا مادہ اپنے اندر پیدا کیا جائے۔ کس قدر احسانات ہیں جو ہم پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ ہوئے ہیں۔ کیسی جہالت اور تاریکی میں ہم پڑے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی محبّت اور اُلفت کو جانتے تک نہ تھے۔ شریعت پر عمل کرنا دوبھر ہو گیا تھا مگر جس طرح اندھیرے اور ظلمت میں سُورج نکل آتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو ظاہر کر دیا اور آپ کی وجہ سے تمام اندھیرا دُور ہو گیا۔ دُنیا کی یہ حالت ہو چکی تھی کہ نیکی کو بُرائی اور بُرائی کو نیکی سمجھا جاتا تھا۔ ہلاکت کو کامیابی اور کامیابی کو ہلاکت خیال کیا جاتا تھا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آکر بُرائی کو بُرائی اور نیکی کو نیکی دکھا دیا۔ پھر آپ کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی حقیقت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت اور قرآن کریم کی قدر ہمیں معلوم ہوئی۔ پھر آپ کی وجہ سے اِسلام کی شان و شوکت بڑے زور شور سے ظاہر ہوئی اور ہمیں خدا تعالیٰ کا قُرب اور محبّت حاصل ہو گئی۔ پھر دُنیاوی رنگ میں بھی ہماری جماعت کے لوگوں پر بڑے بڑے فضل ہوئے۔ ان کے مصائب دُور ہو گئے۔ خدا تعالیٰ نے انہیں عزّتیں دیں۔ ان کے دشمن ہلاک اور رُسوا ہوئے۔ اور اب اگرچہ دوسرے لوگ احمدیوں کو کافر ہی کہتے ہیں لیکن یہ بھی مانتے ہیں اگر کوئی گروہ قابلِ عزّت ہے تو یہی ہے۔ یہاں جھنگ کے ضلع سے ایک شخص آیا کرتا ہے اس کے دوسرے رشتہ دار چور اور ڈاکو ہیں اور اُسے کہتے رہتے ہیں کہ تُو احمدیت کو چھوڑ دے۔ اِس بات کے لئے اُسے بہت تکلیف بھی دیتے ہیں اور وہ اُن سے بھاگ کر یہاں آ جاتا ہے۔ لیکن چونکہ گھر کا کام کاج بہت اچھی طرح کرتا ہے اِس لئے اُسے پھر بُلا لیتے ہیں۔ اس کے ساتھ

تمام لوگ یہاں تک عداوت اور دشمنی کرتے ہیں کہ اس سے مِل کر کھانا نہیں کھاتے اور پانی تک نہیں پیتے۔ لیکن جب کوئی چوری ہو اور اس کے رشتہ داروں پر اس کا شُبہ ہو تو آکر کہتے ہیں کہ اگر یہ کہہ دے کہ تم نے چوری نہیں کی تو ہم مان لیں گے۔ وہ یہاں آکر کہا کرتا ہے کہ ایسے موقع پر میرے لئے بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ اگر مَیں سچ بات کہوں تو میرے رشتہ دار مجھے مارتے ہیں کہ تُو نے کیوں ہماری چوری بتادی۔ اور جُھوٹ مَیں کہہ نہیں سکتا۔ ان کو بہتیرا کہتا ہوں کہ مجھ سے کیوں پوچھتے ہو مجھے تو تم کافر کہتے ہو جاؤ کسی اَور سے دریافت کر لو لیکن وہ نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ تُو ہے تو کافر لیکن جُھوٹ کبھی نہیں بولتا ہم تجھ سے ہی گواہی لیں گے۔ جب وہ اِس بات پر زور دیتے ہیں تو میرے رشتہ دار بھی مجھے کہتے ہیں کہ تم گواہی دے دو لیکن ساتھ ہی اشاروں سے یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارا نام نہ لینا لیکن مَیں سچی گواہی دے دیتا ہوں اس پر وہ مجھے مارتے اور تنگ کرتے ہیں۔ تو ہمارے دشمنوں کو اقرار ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ جُھوٹ نہیں بولتے۔ اور یہ بھی وہ مانتے ہیں کہ مرزا صاحب کے ماننے کی وجہ سے ان میں یہ تبدیلی پیدا ہوئی ہے۔ وہ ہماری جماعت کے لوگوں کی عزّت کرتے اور دوسروں سے بڑھ کر اعتبار کرتے ہیں تو یہ ہم پر کس قدر خدا تعالیٰ کے فضل ہیں۔ پھر ہماری جماعت کا ہر ایک فرد غور کرے تو اُسے معلوم ہو جائے گا کہ اس کے راستہ میں کس قدر مشکلات اور مصائب آئیں مگر مسیح موعود علیہ السّلام کے ماننے کی وجہ سے اُس کی ہر مشکل کس طرح دُور ہو گئی۔ پس اگر ہم خدا تعالیٰ کے ان فضلوں کو دیکھیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وجہ سے ہم پر ہوئے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت کے لئے ہم جتنی بھی کوشش کریں اسی قدر تھوڑی ہے مَیں یہ مانتا ہوں کہ ہماری جماعت کے لوگ جس قدر دین کی خدمت کرتے ہیں اُس قدر اَور کوئی نہیں کرتا اور نہ کر سکتا ہے لیکن مَیں کہتا ہوں کہ ہماری جماعت کے لوگوں کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے اِنعامات کے مقابلہ میں ہم نے کِس قدر شکر گذاری کی ہے۔ یہ اَور بات ہے کہ ہم خدا تعالےٰ کی شکر گذاری کرتے ہیں لیکن اِنعام کے مقابلہ میں یہ شکر گذاری بہت کم ہے اور کسی چیز کا اعلیٰ درجہ کا ہونا مقابلہ سے ہی ثابت ہوتا ہے۔ ایک اینٹ بھی سطح زمین سے اُونچی ہوتی ہے مگر ایک مکان سے اُونچی نہیں۔ اِسی طرح کئی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو اعلیٰ ہوتی ہیں مگر دوسری کے مقابلہ میں اعلیٰ نہیں ہوتیں۔ ہم ایک ایسے شخص کو جو کچھ کام کرتا ہے اُن لوگوں سے اچھا کہیں گے جو سارا دِن بیکار پڑے رہتے ہیں۔ لیکن اس کو اس کے مقابلہ میں اچھا نہیں کہہ سکتے جو سارا دن کام کرتا ہے کیونکہ جس قدر وہ مزدوری پاتا ہے کام اُس سے بہت کم کرتا ہے۔ پس ہماری جماعت کو یہ نہیں دیکھنا چاہیئے کہ ہم دوسرے لوگوں سے بڑھ کر کیا کرتے ہیں بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے جو اِنعام اُسے دئے ہیں ان کے مقابلہ میں وہ کیا کرتی ہے۔ اگر ہماری جماعت کا کوئی شخص اپنے مال کا کچھ حصہ خدا کی راہ میں دیتا

ہے تو وہ اُن لوگوں سے اچھا ہے جو کچھ بھی نہیں دیتے ۔ مگر سوال یہ ہے کہ اُس نے خدا تعالےٰ کے انعامات کے مقابلہ میں کیا دیا ہے ۔ اُسے تو چاہیئے کہ اپنا مال، اپنی جائداد، اپنا وقت، اپنی جان سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کردے ۔ کیا اللہ تعالیٰ کے جو انعامات اُس پر ہوئے ہیں وہ اِس قابل نہیں کہ وہ اپنا سب کچھ خدا تعالیٰ کے راستہ میں صَرف کردے ۔ ضرور ہیں ۔ اور ایسا ہی ہر ایک مومن کو کرنا بھی چاہیئے لیکن جو ایسا نہیں کرتا مجھے ڈر ہے کہ وہ اُن لوگوں میں سے نہ ہو جو اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْد کے نیچے آتے ہیں ۔ لڑتے تو یہودی بھی تھے ۔ انہوں نے کئی لڑائیاں لڑیں مگر ایک ہی دفعہ کے انکار سے ناشکروں میں گنے گئے اور چالیس سال پیچھے ڈال دئے گئے ۔ ان میں سے بہتوں نے خدا کے راستہ میں جانیں بھی دیں مگر ایک جگہ رہ جانے کی وجہ سے ناکام ہو گئے اور انہیں وہ ملک دیکھنا نصیب نہ ہُوا جس کا اُنہیں وعدہ دیا گیا تھا ۔ پس تم لوگ اپنی خدمتِ دین پر مت گھمنڈ کرو ۔ یہاں خدمت کا سوال نہیں بلکہ سوال یہ ہے کہ تم نے اِنعام کے مقابلہ میں کیا خدمت کی ہے ۔ بس اس کی فِکر کرو اور اپنے اعمال کو ایسا بناؤ جو خدا تعالیٰ کے اِنعامات کے مطابق ہوں ۔ اگر ہماری جماعت اس وقت ان ذمّہ داریوں کو سمجھتی جو اس کی ہیں تو یہ موجودہ حالت نہ ہوتی ۔ اگر ساری جماعت میں سے تیسرا حصّہ بھی اپنے فرائض کو پوری طرح انجام دیتا تو بھی یہ حالت نہ ہوتی کہ آئے دِن مختلف صیغوں کے آفیسر روپیہ کی کمی کی شکایت کرتے رہتے لیکن لوگوں نے اپنے فرائض اور ذمّہ داریوں کو سمجھا نہیں ۔ بعض تو کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا روپیہ کسی اَور کام میں لگا ہُوا ہے اِس لئے دینے کے لئے کچھ نہیں ۔ بعض کوئی اَور عذر کر دیتے ہیں ۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ یہ نہیں کہتا کہ تم اپنا سارا مال میری راہ میں خرچ کردو بلکہ یہی کہتا ہے کہ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ[1] جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے کچھ ہمیں دو ۔ لیکن عجیب بات ہے کہ اس میں سے بھی خدا کی راہ میں دینے سے پہلوتہی کرتے ہیں ۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ ایک شخص کسی کو ایک روپیہ دے اور اُسے کہے کہ اس میں سے تم دو پیسے تو مجھے لا دینا اور باقی اپنے پاس رکھ لینا لیکن وہ کہہ دے کہ مَیں تمہیں اس میں سے کچھ نہیں دوں گا پورا روپیہ اپنے ہی پاس رکھوں گا ۔ اگر کوئی ایسا کرے تو یقیناً تمام لوگ اس پر لعنتوں کا مینہہ برسائیں گے مگر بہت ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں ۔ خدا تعالیٰ انہیں مال اموال دے کر کہتا ہے کہ اس میں سے کچھ میرے راستہ میں بھی خرچ کرو مگر وہ کہتے ہیں کہ کیا ہماری ضرورتیں کم ہیں کہ تیرے لئے خرچ کریں ۔ اگر ایسے لوگ سوچتے کہ ہمیں تو یہ سب کچھ دینے والا ہی یہ کہہ رہا ہے کہ کچھ میری راہ میں دو تو وہ ضرور دے دیتے کیونکہ وہ تو سارا بھی لے سکتا ہے مگر بہت کم ہیں ایسے لوگ جو اِس بات کو سوچتے اور خدا کی راہ میں

---

[1] البقرۃ : ۵

خرچ کرتے ہیں۔ دو پیسے یا تین پیسے فی روپیہ چندہ مانگا جائے تو شور مچا دیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں تم سے انجمن اپنے لئے نہیں کچھ مانگتی بلکہ خدا کے لئے مانگتی ہے اور جو کچھ تم سے لیا جاتا ہے وہ خدا کی راہ میں صرف ہوتا ہے۔ پس جس نے تمہیں ایک روپیہ دیا ہے اس کے لئے اس میں سے تین پیسے دینا کہاں کی موت ہے۔ ایسا شخص سوچے کہ مجھے سوا پندرہ آنے جو مل گئے ہیں کیا یہ کم ہیں۔ وہ اس پر کیوں گھبراتا ہے کہ مجھے تین پیسے دینے پڑے۔ اللہ تعالیٰ میں طاقت ہے اور وہ ایسا کر سکتا ہے کہ اُس کی آمدنی کم کر دے اور یہ بھی کر سکتا ہے کہ اپنے دین کے لئے کوئی اَور سامان پیدا کر دے۔ پھر اپنے ہاتھ سے اُس کی راہ میں کیوں نہ دے دیا جائے۔ وہ تو اپنے لئے خود بھی کاٹ سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سُنایا کرتے تھے کہ ایک بادشاہ تھا اُس کا خرچ بہت بڑھ گیا تو اُس نے خرچ کے کم کرنے کے لئے کچھ نوکر موقوف کر دئے۔ رات کو اُس نے رؤیا دیکھی کہ خزانوں کے دروازے کُھلے ہیں اور روپوؤں کی گاڑیاں بھر بھر لے جائی جا رہی ہیں۔ اُس نے پوچھا تم کون ہو اور کیا کر رہے ہو۔ ایک نے کہا کہ ہم فرشتے ہیں اور خدا تعالیٰ نے ہمیں کہا ہے کہ ہم پہلے ان لوگوں کو اِس شخص کی معرفت دیتے تھے اب اس نے ان کو نکال دیا ہے اِس لئے جہاں جہاں وہ جائیں ان کے لئے وہیں پہنچاؤ اِس لئے ہم یہ گاڑیاں بھر بھر کر لے جا رہے ہیں۔ اُس نے صُبح اُٹھ کر تمام ملازمین کو واپس بُلا لیا۔

تو خدا تعالیٰ اِس رنگ میں بھی دلواتا ہے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کے لئے خرچ کرتے ہیں اُن کی آمدنیوں میں ترقی ہوتی ہے مگر باوجود اس کے ہماری جماعت میں سے ایک حصّہ ایسا ہے جو خدا تعالیٰ کے رستہ میں خرچ کرنے سے غفلت کرتا ہے اور غفلت کاہلی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اِسی طرح اَور بہت سی غفلتیں اور سُستیاں ہیں۔ اگر ہماری جماعت ان کو دُور نہیں کرے گی تو اس کے لئے خوشی کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اوّل تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس پیشگوئی کے کیا معنے ہیں لیکن اگر وہی معنے ہیں جو ہم نے سمجھے ہیں تو بھی ہماری جماعت کو بہت ڈرنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ ہماری جماعت پر اپنا فضل کرے اور اس کی سُستی اور غفلت کو دُور کر دے۔ کوتاہیوں اور کمزوریوں کو معاف فرما دے۔ وہ بہت بڑا بادشاہ ہے۔ ہم کمزور ہیں وہ ہماری کمزوریوں کو دُور کر دے۔ ہم ناطاقت ہیں وہ ہماری ناطاقتی کا علاج کر دے اور ہمیں اپنے انعامات کے قابل بنا دے اور ہمیں کسی سال کا منتظر نہ بنائے کہ ہم دیکھتے رہیں وہ کب آئے گا بلکہ ہمارے اندر ایسا اخلاص اور ایسا تقوٰی پیدا کر دے کہ ہمارے لئے ہر گھڑی اور ہر سال ہی مبارک ہو اور ہمیں کسی خاص سال کے اِنتظار کی ضرورت نہ رہے۔ آمین ثُمّ آمین ؂

(الفضل ۱۱، ۱۴ نومبر ۱۹۱۶ء)